حقیقتِ تقویٰ

سیّد ریاض حسین شاہ

ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید سیکٹر III راولپنڈی

فون: 051-4831112

www.daleelerah.info www.shahjee.net

بنیادی عقیدہ

☆ اللہ ہمارا رب ہے اور منزہ عن العیوب ہے۔

☆ محمد ﷺ اللہ کے رسول اور معصوم عن الخطا ہیں۔

☆ قرآن مجید اللہ کی کتاب، ہمارا ضابطہ حیات اور بے عیب کلام ہے۔

انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلا ہے، اس حیثیت سے بہر حال یہ امکان ہوتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ دوران مطالعہ اگر آپ اشارۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقائد کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری متصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیں۔ ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلے میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دیتے ہیں۔

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب: حقیقتِ تقویٰ

مؤلف: سید ریاض حسین شاہ

بار ہفتم:

تعداد:

قیمت:

ناشر: ادارہ تعلیمات اسلامیہ خیابان سرسید سیکٹر III راولپنڈی

فون: 051-4831112

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ	نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
	باب اوّل		۲۰	نظام عبادت کا قیام	۲۶
۱	تقویٰ کا مفہوم اور معنی	۴	۲۱	ذکر الٰہی میں مشغولیت	۲۷
۲	تقویٰ کیا ہے	۴	۲۲	فکر آخرت	۲۷
۳	تقویٰ کے مدارج	۷	۲۳	اصلاحِ معاشرہ	۲۸
۴	تقویٰ کی اہمیت	۱۰	۲۴	اتحادِ ملت	۲۹
۵	تقویٰ کی حد	۱۱	۲۵	شعائر اللہ کی تنظیم	۳۲
۶	تقویٰ کے اثرات	۱۲	۲۶	احترام رسول ﷺ	۳۲
	باب دوم		۲۷	قیام عدل	۳۳
۷	تشکیلِ تقویٰ کی بنیادیں	۱۷	۲۸	رسوم محض سے اجتناب	۳۶
۸	مضبوط ایمان	۱۷	۲۹	غیر اقوال کی تقلید سے بیزاری	۳۷
۹	کردار کی تعمیر	۱۷	۳۰	وعدے کی پابندی	۳۹
۱۰	تلاش مرشد	۱۸	۳۱	اصولِ تعاون	۴۰
۱۱	غور وفکر	۱۹	۳۲	غیبت سے بچنا	۴۲
۱۲	قرآن سے استدلال	۱۹	۳۳	بدکاری سے اجتناب	۴۳
۱۳	علم شریعت کا ہونا	۲۱	۳۴	اساس عمل	۴۴
۱۴	خوفِ خدا	۲۱	۳۵	عفو ودرگزر	۴۵
۱۵	خوفِ آخرت	۲۲	۳۶	سچائی	۴۷
۱۶	دعا	۲۳	۳۷	احسان	۴۸
۱۷	استقامت	۲۴	۳۸	صبر	۵۰
	باب سوم		۳۹	تیاری جہاد	۵۱
۱۸	تقویٰ کے تقاضے	۲۶	۴۰	حرمتِ سود	۵۲
۱۹	شرک سے اجتناب	۲۶	۴۱	دُعا	۵۴

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

باب اوّل

تقویٰ کا معنی اور مفہوم

تقویٰ کیا ہے؟

تقویٰ انسانی زندگی کی وہ صفت ہے جو تمام انبیاء کی تعلیم کا نچوڑ رہی۔ اس کا لغوی معنی تو کسی شے سے دُور رہنے، اُس سے بچنے یا اُسے چھوڑنے ہی کے ہوتے ہیں۔ لیکن شریعتِ اسلام میں تقویٰ نہایت وسیع معنی رکھتا ہے۔ مختصر طور پر تقویٰ کی تعریف کے سلسلہ میں یوں کہا جاسکتا ہے کہ یہ دل کی اُس حالت کا نام ہے جس کی موجودگی میں انسان ہر اس فعل سے بچنے کی کوشش کرتا ہے جو اللہ کو ناپسند ہو۔

" انما الاعمال بالنیات" کے تحت جس طرح نیّت ہر عمل کی جان ہوتی ہے اسی طرح تقویٰ میں بھی اسے بڑا دخل ہے۔ اگر ارتکاب گناہ اور خدا کی نافرمانی سے صرف اس لئے بچا جائے کہ خدا ناراض ہوگا یا رحمت الٰہی سے محرومی ہوگی تو تقویٰ کی حقیقت حاصل ہوتی ہے ورنہ اگر خیال رسوائی یا بدنامی کا ڈر ہو یا کوئی عمل دکھلاوے کے لئے کیا جائے تو تقویٰ نہیں ہوگا۔

قرآن وحدیث میں لفظ" تقویٰ" مختلف صورتوں میں بے شمار مقامات پر استعمال کیا گیا ہے۔ مختلف استعمالات کے پیشِ نظر اس کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے۔

" تقویٰ رذائل سے بچنے اور فضائل سے آراستہ ہونے کا نام ہے"۔

نصر آبادی فرمایا کرتے تھے کہ:" تقویٰ یہ ہے کہ انسان اللہ کے سوا ہر چیز سے بچے"۔

طلق ابن حبیب کا قول ہے کہ:

" اللہ کے عذاب سے ڈر کر اس کے نور کے مطابق اطاعتِ خداوندی یعنی اس کے احکام

www.daleelerah.info www.shahjee.net

پر عمل کرنے کا نام تقویٰ ہے''۔ (رسالہ قشیریہ)

حضرت جمشید نقشبندی رحمتہ اللہ علیہ کا قول ہے کہ:

''زندگی اطاعتِ مصطفےٰ ﷺ میں گزارنا تقویٰ ہے''۔

''حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت کعب الاحبار ؓ سے تقویٰ کی تعریف پوچھی تو حضرت کعب ؓ نے حضرت عمر ؓ سے سوال کیا: ''کیا آپ کبھی خار دار راستہ پر چلے ہیں؟'' آپ نے جواب دیا: ''ہاں'' پھر پوچھا کہ ''آپ نے کیا طریقہ استعمال کیا؟'' حضرت عمر ؓ فرمانے لگے: ''میں کانٹوں سے بچ بچ کر اور کپڑوں کو سمیٹ کر چلا''۔ حضرت کعب ؓ بولے: یہی تقویٰ ہے''۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی مثال خار دار راستے کی ہے۔ مومن کا کام یہ ہے کہ اس میں سے گزرتے ہوئے دامن سمیٹ کر چلے۔ اس کی کامیابی اسی میں ہے کہ ہر کام میں دیکھے کہ اس میں خدا کی خوشنودی مضمر ہے یا نہیں۔

ابو عبداللہ رودباری فرمایا کرتے تھے کہ:

''تقویٰ یہ ہے کہ ان تمام چیزوں سے اجتناب کیا جائے جو اللہ سے دُور رکھنے والی ہوں''۔

حضرت واسطی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ:

''اپنے تقویٰ سے بچنے کا نام تقویٰ ہے''۔

متقی آدمی کے لئے ضروری ہے کہ وہ ریا سے بچے اس لئے کہ یہ اعمال کو اس طرح کھاتی ہے جس طرح دیمک لکڑی کو کھا جاتی ہے۔

کہتے ہیں کہ حضرت ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کے علاقہ میں ایک بار قحط پڑ گیا۔ لوگ آپ کے پاس دُعا کروانے کے لئے آئے۔ آپ فرمانے لگے: ''بارش اِس لئے نہیں ہوتی کہ گناہ گار زیادہ ہو گئے ہیں اور سب سے بڑا گناہ گار میں ہوں، اگر مجھے شہر سے نکال دیا جائے تو بارانِ

رحمت برسنے لگ جائے گی۔ اللہ اُن لوگوں پر رحمتیں برسائے عظیم ہوتے ہوئے بھی اُن کے ہاں دعویٰ نہیں تھا اسی کا نام تقویٰ ہے۔

فروتنی است دلیلِ رسیدگانِ کمال

کہ چوں سوار بمنزل رسد پیادہ شود

یعنی اہلِ کمال کی نشانی عاجزی اور انکساری ہوتی ہے۔ آپ نے دیکھا نہیں کہ سوار جب منزلِ مقصود پر پہنچتا ہے تو پیادہ ہو جاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

تقویٰ کے مدارج

پہلا درجہ:

التوقی عن العذاب المخلد باالتبّری عن الشرك۔

(انوارالتنزیل جلداوّل ۱۶)

''عذابِ آخرت سے ڈر کر اَپنے آپ کو شرک سے بچانا تقویٰ ہے''۔

اللہ تعالیٰ کو اُس کی ذات، صفات اور افعال میں یکتا جاننا تقویٰ کا پہلا زینہ ہے۔ مومن کے عرفانی مدارج کا کمال یہ ہوتا ہے کہ اُس کی رگ وجان میں توحید رچی بسی ہوتی ہے۔ وہ اللہ ہی کو معبود سمجھتا ہے اور اُسی ذات کو مقصود تصور کرتا ہے۔

گو یہ سب کو تسلیم ہے کہ معبود وہی ہے
مگر کم ہیں جو سمجھتے ہیں کہ مقصود وہی ہے

متقی شرک کو ظلم عظیم سمجھتا ہے۔ اس کی دعوت وتبلیغ کا محور اثباتِ توحید اور تردید شرک ہوتا ہے، لیکن یاد رہے کہ توہین انبیاء اور گستاخیٔ اولیاء توحید نہیں بلکہ جرمِ عظیم ہے۔ جس طرح خدا کی ذات وصفات میں کسی کو شریک ٹھہرانا کفر ہے، اسی طرح انبیاء ومرسلین کو اپنی طرح سمجھنا یا اپنے آپ کو اُن کے مثل جاننا صریح کفر ہے۔ اللہ پاک ہر قسم کے شرک سے بچائے۔

آمین یا ربّ العالمین۔

عقائد کا ٹھیک ہونا تقویٰ کی جان ہے۔ سورۂ بقرہ میں متقی کی تعریف میں اس کے اعمال کے ساتھ ساتھ راسخ عقائد ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۙ﴿۳﴾ وَ
الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ

يُوْقِنُوْنَ ۝ (البقرہ:۳تا۴)

’’ایسے لوگ جو بے دیکھے ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور اس سے جو ہم نے انہیں دیا ہے خرچ کرتے ہیں اور مان جاتے ہیں جو آپ کی طرف اُتارا گیا ہے اور اسے بھی جو آپ سے پہلے اُتارا گیا ہے اور آخرت پر وہ یقین رکھتے ہیں‘‘۔

دوسرا درجہ:

التجنب عن کل ما یؤثم فعل او ترك حتی الصغائر۔

(انوارالتنزیل جلداول ۶۱)

’’ہر وہ فعل جس میں گناہ کا اندیشہ ہو یہاں تک کہ صغیرہ گناہوں سے بچنا بھی تقویٰ کہلاتا ہے‘‘۔

تقویٰ کے اس مرتبہ کی طرف قرآن حکیم نے اس طرح اشارہ فرمایا ہے:

وَلَوْاَنَّ اَهْلَ الْقُرٰۤى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا (الاعراف:۹۶)

’’اور بستیوں والے اگر ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کر لیتے‘‘۔

متقی کے لئے ان حدود کا لحاظ رکھنا ضروری ہوتا ہے جو کائنات کے خالق نے متعین کی ہیں۔ یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن ہوتا ہے جب خوفِ الٰہی دل میں پوری طرح جاگزیں ہو اور انسان ہر وقت یہ سوچے کہ یہ دنیا اندھیر نگری نہیں، بلکہ امتحان گاہ ہے اور ایک نہ ایک دن اسے ضرور اپنے اعمال کے بارے میں جواب دہ ہونا ہے۔

تیسرا درجہ:

علامہ ناصر الدین ابوسعید عبداللہ بن عمر بیضاوی لکھتے ہیں:

والثالثة ان یتنزہ عما یشغل سرہ عن الحق ویتبتل الیه بشراشرہ وھو التقوی الحقیقی المطوب۔ (انوارالتنزیل ص ۶۱ جلداوّل)

''ہر وقت اللہ تعالیٰ سے تعلق قائم رکھنا اور اس سے غافل کر دینے والی اشیاء سے لاتعلق ہونا تقویٰ ہے اور تقویٰ کی یہی حالت حقیقی اور مطلوب و مقصود ہے''۔

یہاں تعلق سے مراد ہر وقت خدا کو یاد کرنا ہے۔ ہر فعل میں اس کی رضا دیکھنا ہے۔ بعض صوفیاء کا ''پاس انفاس'' کا معمول بھی تقویٰ کے اس مفہوم میں آ سکتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں تقویٰ کی اس حالت کو ''ماسوی اللہ بس'' سے بھی تعبیر کیا جا سکتا ہے، یعنی اللہ کے سوا ہر چیز سے بے نیاز ہو جانا۔

قرآنِ مجید میں پروردگارِ عالم ارشاد فرماتے ہیں:

يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ (آلِ عمران:۱۰۲)

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے''۔

انسان کو ہر وقت اِس کوشش میں لگے رہنا چاہئے کہ کوئی چیز راہِ دین سے غفلت کا سبب نہ بنے۔ شیطانی طاقتیں اس غالب نہ آئیں۔ نفس امارہ اُسے اپنے دامن میں نہ لے لے اور یہ سب کچھ عمل پیہم اور جہادِ مسلسل سے ہی حاصل ہو سکتا ہے۔ فکر اور جذبۂ صادق اس سلسلہ میں ممد اور معاون ثابت ہوتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

تقویٰ کی اہمیّت

متّقیانہ زندگی انسان کو نمونے کا انسان بنا دیتی ہے۔ مسلمان صرف اجتماعی زندگی ہی میں ایک ضابطے کا پابند نہیں بلکہ وہ انفرادی زندگی میں بھی ایک دستور اور قانون کے مطابق تعمیر اور تطہیر حیات کی منازل طے کرتا ہے۔ اس کا اٹھنا بیٹھنا، چلنا پھرنا اور قول و فعل رضائے الٰہی کے حصول کے لئے ہوتے ہیں۔

تقویٰ کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی پاک ﷺ سے ایک بار پوچھا گیا:

''آلِ نبی کون لوگ ہیں؟''

تو آپ ﷺ نے اِرشاد فرمایا: ''متّقی''۔

علاوہ ازیں اسلام کا سارا نظامِ عبادت یہی مقصد رکھتا ہے کہ لوگ ''متّقی'' یعنی صاحبِ کردار بن جائیں۔

رسولِ کریم ﷺ اکثر اوقات ''تقویٰ'' کے لئے دعا فرماتے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ فرمایا کرتے:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَالُکَ الْھُدیٰ وَ التُّقٰی وَالْعَفَافَ وَالْغِنٰی۔

''اے اللہ! میں تجھ سے ہدایت، تقویٰ اور عفت و غِنا کا سوال کرتا ہوں''۔

☆☆☆☆☆

تقویٰ کی حد

انبیاء کرام معصوم ہستیاں ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اُن کی تخلیق ہی ایسے کرتا ہے کہ وہ بشری کمزوریوں سے پاک ہوتے ہیں۔ ''تقویٰ'' اگر پوری آب وتاب کے ساتھ کہیں دکھائی دے سکتا ہے تو وہ انبیاء ہی ہیں۔ اس کے علاوہ کسی شخص کی زندگی میں ''تقویٰ'' اس کاملیّت کے ساتھ جوان کے ہاں ہوتا ہے نہیں پایا جاتا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے اس کی کوئی آخری حد مقرر نہیں کی، بلکہ ارشاد فرمایا:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ (التغابن:١٦)

''تو ڈرو اللہ سے جتنی تمہاری استطاعت میں ہو''۔

یعنی تقویٰ کا حق ادا کرنے میں تم کوئی کسر نہ اُٹھا رکھو بلکہ ہر شخص اپنی طاقت کے مطابق یہ کوشش کرے کہ اس کی زندگی احکامِ الٰہی کے مطابق بسر ہو۔

☆☆☆☆☆

تقویٰ کے اثرات

اسلامی کردار یعنی تقویٰ کے اختیار کرنے سے ایک مسلمان کی زندگی پر بے شمار اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ دینی اور دنیوی زندگی میں اس کی بدولت انسانی ضمیر کو سکون وچین میسّر ہوتا ہے۔

قرآن کی روشنی میں تقویٰ کے اثرات پر ہم ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہیں۔

تقویٰ اور انسانی عظمت کا راز:

عظمت اور بزرگی کی تلاش انسانی فطرت ہے۔ ہر شخص معاشرہ میں اعلیٰ سے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اسلام کی نظر میں عظمت وشرافت اور بلندی مراتب کا معیار دولت کی کثرت نہیں۔ مال وزر کا ہونا نہیں اور نہ ہی حسن وجمال کو اس میں کوئی دخل ہے بلکہ اپنی زندگی کو اللہ کی رضا کی خاطر گزارنا فضیلت کی اصل کسوٹی ہے۔

قرآن مجید اس بات کی تائید یوں کرتا ہے:

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ ؕ (الحجرات:۱۳)

''بے شک تم میں جو سب سے زیادہ تقویٰ والا ہے اللہ کے ہاں وہ سب سے زیادہ عزت والا ہے''۔

رسولِ کریم ﷺ کے ایک قول سے بھی یہی پتہ چلتا ہے کہ حقیقی شرف تقویٰ ہی میں ہے۔ آپ ﷺ نے قبا کے خطبہ میں ایک بار ارشاد فرمایا: ''تقویٰ عزت دلاتا ہے اور اللہ کو خوش کرتا ہے''۔

معلوم ہوا کہ حسب ونسب کی روحانی اور مقصودی زندگی میں کوئی اہمیّت نہیں بلکہ یہ وہ بت ہیں جن کی پوجا سے ہماری قوم مسلم قومیّت کھوتی جا رہی ہے۔

نسلی اور معاشی امتیازات نے ہمارے اسلامی معاشرہ کو اندر سے کھوکھلا کر دیا ہے۔ علاقائی تعصّبات دل و دماغ پر پوری طرح تسلط جما رہے ہیں اور یہ سب کچھ تقویٰ کے منافی ہے۔

تقویٰ اور فلاحِ حقیقی:

انسان جب تک نظامِ وحی سے رہنمائی حاصل نہیں کرتا نقصان اور خسارے میں رہتا ہے۔ ہدایت کے لئے وجدان اور عقل اس کے لئے ناکافی ثابت ہوتے ہیں۔ اگر وہ اپنے خالق اور ہادی کی طرف رجوع نہ کرے تو وہ اکثر فیصلے غلط کرتا ہے۔ اس کی دماغی اور ذہنی قوتیں زندگی کی پُر پیچ راہوں میں اُس کی ساتھی نہیں بنتیں۔ وہ یہاں پہنچ کر بے بس ہو جاتا ہے۔ اس کی نگاہیں کسی ہادی کو تلاش کرتی ہیں۔ اگر اس بیچارگی کے عالم میں وہ فطرت کی آواز سُن کر اپنے خالق و مالک کے نظامِ ہدایت (جو مختلف ادوار میں انبیاء کی وساطت سے انسانیت کی رہنمائی کرتا رہا) کو پہچان لے تو فطرت اُسے فلاح کا پیغام دیتی ہے۔

وہ لوگ جن کے سینے ایمان سے خالی ہیں اور ان کے اعمال قرآن و سنت کے برعکس ہیں۔ بے شک وہ انسان تو ہیں لیکن ''نظامِ وحی'' سے عدمِ تمسک کی بناء پر نقصان و خسران ان کا مقدر رہے۔

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (العصر:۲)

''بے شک حق فراموش آدمی ضرور نقصان میں ہے''۔

نقصان کے مقابلہ میں قرآن ''فلاح'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے، اور ''فلاح'' کی شرائط میں تقویٰ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔

سورۃ ''البقرۃ'' میں متقی کی چھ صفات بیان کرنے کے بعد ربّ ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں:

اُولٰٓئِکَ عَلٰی ھُدًی مِّنْ رَّبِّھِمْ ق وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (البقرہ:۵)

''وہی اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور وہی فلاح بھی پانے والے ہیں''۔

تقویٰ اور سکون زندگی:

کون نہیں جانتا کہ ہماری زندگی میں جتنی بھی مشکلات ہیں۔ ''قرآن'' سے بغاوت ہی کا نتیجہ ہیں۔ اگر ہم اپنے آپ کو تربیت کے لئے قرآنی سانچوں میں ڈھالتے ہیں اور اس کا مطلوبہ کردار جس کو وہ ''تقویٰ'' کا نام دیتا ہے۔ اپنے اندر پیدا کر لیتے تو یقیناً ہماری زندگی میں اس قدر بے چینیاں نہ ہوتیں بلکہ سکون و آرام سے دن گزارتے۔

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مِنْ اَمْرِهٖ يُسْرًا (الطلاق:۴)

'اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے تو اللہ اس کے کام میں آسانی رکھ دیتا ہے''۔

تقویٰ اور قرب الٰہی:

قرآن مجید میں ارشادِ ربّ العزّت ہے:

اِنْ اَوْلِيَآؤُهٗٓ اِلَّا الْمُتَّقُوْنَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ (الانفال:۳۴)

''بلاشبہ متقی ہی اللہ کے دوست ہوتے ہیں لیکن اکثر لوگ جانتے نہیں''۔

اگر صحیح معنوں میں پرہیزگاری ہمارا شعار بن جائے۔ خدا کا خوف ہمارے دلوں میں راسخ ہو جائے تو ''نحن اقرب الیه من حبل الورید ''(ہم شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں) کی نویدِ جانفزا آج بھی قرآن مجید سُنا رہا ہے۔

متقی ہی کے بارے میں ربّ ذوالجلال ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (التوبہ:۷)

''بے شک اللہ تقویٰ اختیار کرنے والوں کو پسند کرتا ہے''۔

انوارِ الٰہیہ کے مشتاق کے لئے اس سے بڑا انعام کیا ہو سکتا ہے کہ محبوب و مطلوب اپنی توجہ و التفات کے جیتنے کا نسخہ خود تجویز فرما رہا ہے۔ کیا یہی وہ مقام نہیں جس کی خاطر بدر و حنین کے معرکے وجود میں آئے۔ کربلا میں اہلِ بیت اطہار کا خون گرا۔ باپ نے بیٹے کی گردن پر چھری رکھی۔

اے بندگانِ خدا!

اگر تم بھی چاہتے ہو کہ محبتِ الٰہی کی سوغات تمہارے حصّے میں بھی آئے تو اپنے آپ میں متقی لوگوں کی صفات پیدا کیجئے۔

تقویٰ اور امتیاز:

تقویٰ کے اجتماعی اثرات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ معاشرہ جو ''من حیث الجماعت '' (پوری جماعت کی حیثیت سے) اپنے آپ کو کتاب وسنت کے مطابق بنالیتا ہے، اقوامِ عالم میں اُس کی شان نرالی اور امتیازی بن جاتی ہے۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا (الانفال:۲۹)

''اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈروگے تو وہ تمہیں امتیازی شان عطا فرمائے گا''۔

''امتیاز'' کی مختلف نوعتیں ہوسکتی ہیں؛ یعنی اِس سے ایک معنیٰ تو یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ تم میں اچھی اور بُری چیز میں امتیاز کرنے کی قوت پیدا فرمادے گا یعنی بصیرت عطا کردے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقوام میں تمہیں امتیازی شان عطا کردے گا۔

تقویٰ اور کشادگی رزق:

روٹی، کپڑے اور مکان کا مسئلہ ہر دَور میں بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ قرآن نے معاشی آسودگی بھی اپنی حدوں میں قائم رہنے ہی میں قرار دی۔

ارشادِ ربّ العزت ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۙ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ

(الطلاق:۲،۳)

''اور جو اللہ کا تقویٰ اختیار کرتا ہے تو وہ بھی اس کے لیے نجات کی راہ ضرور پیدا فرمادیتا ہے اور اُسے وہاں سے روزی عطا فرمائے گا جہاں سے وہ گمان بھی نہ

کرتا ہوگا''۔

اِسلامی نظام کا مکمل مطالعہ کرنے سے اچھی طرح اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے کہ اسلام کیسے ''معاشی خوشحالی'' دیتا ہے۔

اِس کے برعکس ''اعراض عن القرآن'' سے اقوام وملّل کی معاش ومعیشت تنگ کر کے رکھ دی جاتی ہے۔ قرآن نے معاشی تنگی کی وجہ ہی اِس نظام سے بغاوت کو قرار دیا ہے۔

وَمَنْ اَعْرَضَ عَنْ ذِكْرِىْ فَاِنَّ لَهٗ مَعِيْشَةً ضَنْكًا وَّنَحْشُرُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَعْمٰى (طٰہٰ: ۱۲۴)

''اور جس نے میرے قرآن سے اعراض برتا تو بے شک اُس کی معیشت تنگ ہو گی اور ہم بروزِ قیامت اسے اندھا اٹھائیں گے''۔

☆☆☆☆☆

باب دوم

تشکیل تقویٰ کی بُنیادیں

مضبوط ایمان:

ایمان کی مضبوطی اور استحکام تعمیرِ سیرت میں ہر روز نئی آن اور نئی شان پیدا کرتے ہیں۔ اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ قربِ الٰہی اور اتقاء لازم وملزوم ہیں تو پھر یہ سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی کہ قربِ خداوندی کا پہلا زینہ ہی استحکام ایمان ہے۔ ایمان جتنا مضبوط ہوگا کردار اتنا ہی اعلیٰ ہوگا۔ ایمان کی کمزوری سیرت وکردار کو کمزور کرتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جب بھی مردِ مومن کو کسی عمل اور جہاد کے لئے تیار ہونے کی دعوت دی۔ ''ایمان'' کا ذکر ضرور کیا۔ وہ تجارتِ عظیم جس کو ''عذابٌ الیم'' (دردناک عذاب) سے چھٹکارے کا باعث قرار دیا گیا۔ اس میں بھی سب سے پہلے ایمان باللہ اور ایمان باالرسول ﷺ کا ہی ذکر کیا گیا۔

تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ (الصف: ۱۱)

''ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور جو تم سے لڑے اُس سے لڑو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ''۔

کردار کی تعمیر:

''تقویٰ'' کا ترجمہ اگر عام فہم الفاظ میں کیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ تقویٰ ''اسلامی کردار'' کا دوسرا نام ہے۔ یاد رہے کہ تعمیرِ کردار کے لئے قرآن کثرتِ عبادت کا ایک نسخہ بھی تجویز کرتا ہے۔ مثلاً بے حیائی سے رُکنے کے لئے یا صبر کی صفت پیدا کرنے کے لئے نماز کا پڑھنا تجویز

کیا گیا۔

انسانی طبائع میں رَچ بَس جانے والی مذموم حرکتیں کثرتِ زُہد ہی سے عاداتِ حسنہ سے بدلتی ہیں۔

پروردگار عالمین ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۲۱)

''اے لوگو! عبادت اپنے رب کی کرو جس نے تمہیں اور تم سے پہلوں کو پیدا کیا تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ''۔

رمضان لمبارک کے روزوں کا فلسفہ بھی یہی بیان فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ (البقرہ: ۱۸۳)

''اے ایمان والو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جیسے کہ فرض کئے گئے تم سے پہلے لوگوں پر اُن کی فرضیت تمہیں پرہیز گار بنانے کے لیے ہے''۔

تلاش مرشد:

ایمان کی حرارت، محبت کی گرمی اور عشق کی تپش شیخ کامل کی وجہ ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ قرآنِ حکیم تعمیر سیرت، پختگی کردار، تشکیلِ تقویٰ اور آنکھوں سے غفلت کی پٹیاں دُور کرنے کے لئے ''وسیلہ'' ضروری قرار دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (المائدہ: ۳۵)

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ اور جہاد کرو اس کی راہ میں تا کہ تم کامیاب ہو''۔

آیت میں وسیلہ سے مراد جہاں کتاب وسنت ہے وہاں پیرومرشد کی توجہ اس کی تلاش اور بیعت ہے شاہ ولی اللہ اور مولوی اسماعیل دہلوی نے اس سے یہی مراد لی ہے۔

(قول جمیل، صراطِ مستقیم بحوالہ ضیاء القرآن)

ڈاکٹر علامہ اقبال علیہ الرحمتہ شیخ کامل کی توجہ کے اثرات ایک جگہ اس طرح بیان کرتے ہیں:

دم عارف نسیم صبح دم ہے
اسی سے ریشۂ معنی میں نم ہے
اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے

غوروفکر:

تقویٰ اسلام کی روح ہے اور اسلام دینِ فطرت ہے۔ اس کی حقانیت لامحالہ ہر اُس کو تسلیم کرنی پڑتی ہے جو تعصب کی پٹی اتار کر صحیح خطوط پر غوروفکر کرے۔ قرآن جو ایک الہامی کتاب ہے وہ صرف اپنے قاری کو تلاوت ہی کی دعوت نہیں دیتی۔ بلکہ فکر اور تدبّر کرنے کی تعلیم بھی دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غوروفکر سے انسانی ضمیر زندہ ہوتا ہے اور حقائق کو تسلیم کرنا سیکھتا ہے۔ جب قلب وجگر اور دل و دماغ کسی بات کو تسلیم کر لیتے ہیں تو اس کے تقاضے پورے کرنے پھر مشکل نہیں رہتے۔

تقویٰ چونکہ اسلام کا تقاضا ہے، اس لئے اس کی تشکیل بھی غوروفکر کی مرہونِ منت ہے۔

قرآن کی دعوتِ فکر کو تین حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

۱۔ کتاب
۲۔ انفس
۳۔ آفاقی

قرآن سے استدلال:

۱۔ وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فِيْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِيَذَّكَّرُوْا (بنی اسرائیل:۴۱)

''اور بے شک ہم نے اس قرآن میں احکام کو کئی طرح سے بیان کیا تا کہ وہ انہیں سمجھ سکیں''۔

۲۔ هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ۝ یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ؕ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ (النحل:۱۰،۱۱)

''وہی ہے جس نے آسمان سے تمہارے لیے پانی برسایا اس میں کچھ تم پیتے ہو اور اس سے اُگنے والے سبزہ سے تمہارے جانور خوراک حاصل کرتے ہیں۔ پیدا کرتا ہے تمہارے لیے اس کے ذریعے فصلیں اور زیتون اور نخلستان اور انگور اور ہر قسم کے پھل، بے شک اس میں نشانی ہے اس قوم کے لیے جو غور و فکر کرتی ہے''۔

۳۔ قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ اَمَّنْ یَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ فَسَیَقُوْلُوْنَ اللّٰهُ ۚ فَقُلْ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ

(سورہ یونس:۳۱)

''فرمایئے! تمہیں آسمان اور زمین سے رزق کون دیتا ہے؟ یا کون مالک ہے کانوں اور آنکھوں کا اور کون مردہ سے زندہ پیدا کرتا ہے اور کون زندہ سے مردہ کو پیدا کرتا ہے اور تمام کاموں کا مدبّر کون ہے؟ تو کہیں گے'' اللہ''پس فرما دیں ''کیا تم ڈرتے نہیں؟''۔

۴۔سورۂ غاشیہ میں ایک مقام پر غور و فکر کی دعوت اس انداز میں دی گئی:

اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَى الْاِبِلِ كَیْفَ خُلِقَتْ ۝ وَاِلَى السَّمَآءِ كَیْفَ رُفِعَتْ ۝ وَاِلَى الْجِبَالِ كَیْفَ نُصِبَتْ ۝ وَاِلَى الْاَرْضِ كَیْفَ سُطِحَتْ ۝

(الغاشیہ: ۱۷۔۲۰)

''کیا وہ لوگ اونٹ کو دیکھتے نہیں کہ کیسے پیدا کیا گیا اور آسمان کی طرف کہ اسے کیسے بلند کیا گیا اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے قائم کیے گئے اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی''۔

علمِ شریعت کا ہونا:

تقویٰ کا تعلق چونکہ شریعت سے ہے۔اس لئے ہر متقی اور پرہیز گار شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ شریعت کا مکمل علم رکھتا ہو یا اگر زیادہ نہیں تو کم از کم جائز و ناجائز اور حلال و حرام کا علم رکھنا تو از حد ضروری ہے۔

تقویٰ کا بلند ترین مقام عرفان ربّ ہے جسے فقر سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

حضرت باہُو علیہ الرحمتہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

علموں باہج جو کرے فقیری

کافر مرے دیوانہ ہؤ

خداوند کریم امتِ مصطفٰے ﷺ کو ہزار ہا اُن فریب کاروں سے بچائے جو طریقت کو شریعت سے الگ کر کے لوگوں کو گمراہ کر رہے ہیں اور حالانکہ حقیقت یہ ہے۔

اگر بہ او نر سیدی تمام بو لہبیت

اتباعِ رسول ﷺ کے علاوہ جو بھی طریقہ ہے خواہ وہ کتنا ہی دلکش کیوں نہ ہو، نفس کی کرشمہ سازی کے سوا کچھ نہیں۔

خوفِ خدا:

''تقویٰ'' پیدا کرنے کے لئے خوفِ خدا کا ہونا بھی اشد ضروری ہے لیکن خوف کو اتنا نہ بڑھایا جائے کہ امید ختم ہی ہو کر رہ جائے۔ایک حدیث کے مطابق ایمان، خوف اور امید کے درمیان ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا ایک مشہور قول ہے کہ:

''اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان کیا جائے کہ جنّت میں صرف ایک ہی شخص

داخل کیا جائے گا تو میں کہوں گا کہ وہ شخص میں ہی ہوں، لیکن اگر یہ اعلان ہوجائے کہ دوزخ میں صرف ایک ہی آدمی داخل ہوگا تو مجھے اندیشہ ہوگا کہ وہ آدمی کہیں مَیں ہی نہ ہوں''۔

خوفِ خدا کے لئے آخرت، مَوت اور قبر کا فکر ضروری ہے۔ ایک شخص کو مَیں نے دیکھا کہ مُرغ ذبح کرتے ہوئے رو رہا تھا اور ساتھ ہی یہ کہہ رہا تھا کہ بے زبان اور غیر مکلّف چیز مرتے ہوئے اگر اتنی تکلیف میں مبتلا ہے تو گناہ گار انسانوں کا کیا حال ہوگا۔

سرکارِ دو عالم ﷺ کے بارے میں ایک روایت ہے کہ جب آسمان پر بادل چھا جاتے تو آپ ﷺ کا چہرہ متغیّر ہو جاتا اور آپ ﷺ خوفِ خدا سے کبھی گھر سے باہر آتے اور کبھی اندر جاتے۔ جب بارش ختم ہوجاتی تو آپ ﷺ مسرور ہوجاتے۔

فطرتِ انسانی میں یہ بات داخل ہے جب اُسے کسی بات کا خوف ہو تو عمل کی قوّت اس میں تیز سے تیز تر ہوجاتی ہے، البتہ خوف کی نوعتیں بدلتی رہتی ہیں۔

اسلام بھی اپنے ماننے والوں کو ایک غائب ہستی کی باز پُرس سے ڈرنے کی تلقین کرتا ہے۔ اِس خوف کا اثر یہ ہے کہ کسی پولیس یا محتسب کی غیر موجودگی میں بھی انسان ایسا کام کرنے سے رُک جاتا ہے جس سے اس کے ربّ کی نافرمانی ہوتی ہو اور خلق خدا کو ضرر پہنچنے کا اندیشہ ہو۔

خوفِ آخرت:

ایک حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

''اللہ تعالیٰ کو اُن آنسوؤں سے پیار ہے جو خوفِ الٰہی سے جاری ہوتے ہیں''۔

(مشکوٰۃ شریف باب الجہاد)

ایک بزرگ نے ایک روتے ہوئے لڑکے سے رونے کا سبب دریافت کیا تو اُس نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ سے ڈر کر رو رہا ہوں۔ انہوں نے پوچھا، خوف کا سبب کیا ہے؟ تو اُس نے کہا کہ کتابِ حکیم میں ارشادِ ربّ العزّت ہے:

فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِیْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ (البقرہ:۲۴)

''تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں''۔

میں سوچتا ہوں کہ جب میری ماں آگ جلاتی ہے تو چولہے میں بڑی لکڑیوں کو آگ لگانے کے لئے نیچے چھوٹی چھوٹی لکڑیاں رکھتی ہے تاکہ آسانی سے آگ روشن ہو جائے۔ اگر خداوند کریم نے بھی جہنّم میں بڑے بڑے نافرمانوں کو آگ میں ڈالا تو مجھ جیسے چھوٹے چھوٹے گناہگاروں کو بھی کہیں آگ میں نہ ڈال دیا جائے۔

مولانا رُومی کا ایک شعر ہے:

ہر کجا آب رواں غنچہ بود
ہر کجا اشکِ رواں رحمت بود

جہاں پانی چلتا ہے وہاں باغات ہوتے ہیں اور جہاں آنسو جاری ہوں وہاں خدا کی رحمت ہوتی ہے۔

حضرت صدیق اکبرؓ فرمایا کرتے تھے کہ:

''خوفِ الٰہی سے رویا کرو، اگر رونا نہ آئے تو رونے والی شکل ہی بنالیا کرو''۔

خوفِ خدا کے بارے میں قرآنِ حکیم میں ربّ ذوالکمال ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں:

وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوٰى ۙ فَاِنَّ الْجَنَّةَ هِیَ الْمَاْوٰى (النّٰزعٰت:۴۰،۴۱)

''اور جو شخص اپنے رب کے حضور کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو خواہشات سے روکا۔ تو بے شک جنت وہی ٹھکانہ ہوگی''۔

دُعاء:

اسلامی اور روحانی زندگی میں طلب اور جستجو کا ایک خاص مقام ہے۔ ہدایت اور گمراہی ہر دو مِن جانبِ اللہ ہی ہوتے ہیں۔ مردِ مومن کو چاہیئے کہ وہ ہر وقت خدا کی چوکھٹ پر پڑا رہے۔

www.daleelerah.info www.shahjee.net

اُس سے سوال کرتا رہے۔ اُسی داتا کی عطا سے زنگ آلود دل پاک ہوتے ہیں۔ مخلوق کو خالق کا قربِ مقصود حاصل ہوتا ہے۔

یہ بات مسلمہ ہے کہ عبادت سے ''تقویٰ'' کی تشکیل ہوتی ہے اور دعاء کے بارے میں رؤف رحیم آقا ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:۔

اَلدُّعَا هُوَ الْعِبَادَةُ۔ (رواہ ابوداؤد)

''دُعا ہی عبادت ہے''۔

ایک حدیث کا مضمون یہ بھی ہے کہ:

''دُعا عبادت کا مغز ہے''۔

آقا ﷺ کے اِن دو اقوال سے پتہ چلا کہ دعا میں اگر عجز و نیاز مندی شامل ہو، اور دعا گو ریا و نمود سے اجتناب کر کے ربّ ذوالجلال کو پکارے تو اس کی تاثیر عبادتِ عامہ سے زیادہ ہوتی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ تشکیل تقویٰ کے لئے صدقِ طلب کا ہونا ضروری ہے، رشد و ہدایت کے نُور کے حصول کے لئے خود بھی دعا کرنی چاہئے اور اللہ کے نیک بندوں سے بھی دعا کروانی چاہیے اس لیے کہ یہ حقیقت ہے کہ:

نگاہِ ولی میں یہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

استقامت:

استقامت سے مرادِ لزومِ طاعت ہے۔ بعض علماء نے کہا کہ خداوند تعالیٰ کی رضا کے مطابق اپنے سارے امور کا نظام درست رکھنا استقامت کہلاتا ہے۔ ایمان کے بعد استقامت کی اہمیت کا اندازہ مخبر صادق ﷺ کی اس حدیث سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار آپ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کوئی ایسا عمل بتائیں کہ کسی اور سے پوچھنے کی حاجت نہ رہے۔

آقا و مولا ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔

''کہہ کہ میں ایمان لایا اللہ پر۔ پھر استقامت اختیار کر''۔

صوفیاء کا مسلک ہے کہ استقامت اور استقلال کرامت سے بھی زیادہ اہم شے ہے۔ اہلِ ایمان کے اسی وصف کو قرآن مجید نے ایک مقام پر یوں بیان فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ (الاحقاف: ۱۳)

''بے شک وہ لوگ جنہوں نے کہا ''اللہ ہمارا ربّ ہے'' پھر استقامت اختیار کی نہ تو ان پر کوئی خوف چھا سکتا ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے''۔

استقامت کا آسان تر مفہوم ثابت قدمی کا ہے۔ تقویٰ کا تعلق چونکہ اجتناب معاصی اور حلّیت اوامر سے ہے۔ اس لئے حصولِ علم کے بعد تقویٰ کے ثمرات دیکھنے کے لئے صبر اور ثبات کا ہونا اشد ضروری ہے۔

☆☆☆☆☆

باب سوم

تقویٰ کے تقاضے

شرک سے اجتناب:

تقویٰ کا اوّلین تقاضا یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ انبیاء کا پہلا درس ہی توحید کا اثبات اور شرک کی نفی ہے۔

شرک کے بارے میں قرآنی رویّے کو اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

۱۔ شرک ناقابلِ معافی جرم ہے۔ (النساء:۴۸)

۲۔ شرک کرنے سے پہلے کے تمام اعمال ختم ہو جاتے ہیں۔(الانعام:۸۹)

۳۔ شرک سے آدمی بزدل ہوتا ہے اور مشرک کا انجام جہنم ہے۔(آل عمران:۱۵۱)

۴۔ شرک جہالت ہے۔ (الاعراف:۱۳۸)

۵۔ شرک ظلمِ عظیم ہے۔ (لقمٰن:۱۳)

۶۔ مشرک خواہشاتِ نفس کے غلام ہوتے ہیں۔ (النجم:۲۳)

۷۔ بدترین مخلوق مشرک ہے۔ (البیّنہ:۶)

نظام عبادات کا قیام:

اصطلاح عقائد کے بعد عملی زندگی کے میدان میں جس چیز کی اوّلین ضرورت ہے وہ نظام عبادت کا قیام ہے۔تقویٰ کے تقاضوں کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ تخلیق انسانیت کی علّت معلوم کی جائے اور وہ یہ ہے کہ:

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (الذّاریٰت:۵۶)

''اور میں نے جن اور انسان نہیں پیدا کیے مگر اس لیے کہ وہ میری عبادت کریں''۔

عبادت کا مفہوم نہایت وسیع ہے۔ اس میں ہر وہ چیز آ جاتی ہے جس کے کرنے اور باز آ جانے سے رضائے ربّ کا پروانہ ملتا ہو لیکن نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج اسلامی نظام عبادت کی بنیادیں ہیں۔ اس میں سے بھی نماز کو بہت اہمیت حاصل ہے۔ روزِ محشر اوّلین پرسش اسی کے بارے میں ہوگی۔

روز محشر کہ جان گداز بود
اوّلین پرسشِ نماز بود

ذکر الٰہی میں مشغولیت:

اللہ کا ذکر دلوں کو صاف کرتا ہے۔ بداعمالیوں اور بدعقیدگیوں سے نجات دلاتا ہے۔ بے حیائی اور فحاشی سے منع کرتا ہے۔ انسانی کردار کو نکھارتا ہے۔ مزاج میں اعتدال پیدا کرتا ہے۔ سیرت میں حسن لاتا ہے۔ طبیعت کو استغنا بخشتا ہے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کثرتِ ذکر سے انسان قربِ الٰہی کی منزلوں کا راہی بن جاتا ہے۔

ذکر اللہ کے بارے میں قرآن کا ارشاد سنیے:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ (العنکبوت:۴۵)

''اللہ کا ذکر سب سے بڑھ کر ہے''۔

ذکر کیا ہے؟ ہر وقت اپنے آپ کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی غلامی میں لگائے رکھنا، تصور میں اُس حاکمِ مطلق کو یاد کرنا، احکامِ الٰہی پر کاربند رہنا، قرآنی تعلیمات کا پرچار کرنا، یہ بھی ذکر اللہ کی اقسام ہیں۔

حاکمیتِ خداوندی پر اگر مکمل یقین نہ ہو اور ہر فعل میں رضائے الٰہی کا جوہر شامل نہ ہو تو مقصودِ عبادت اور مدّعائے زیست پورا نہیں ہوتا۔

فکرِ آخرت:

ہمیشہ انجام پر نگاہ رکھنے والے لوگ ہی ہر میدان میں کامیابیوں سے ہمکنار ہوتے ہیں۔

www.daleelerah.info www.shahjee.net

انسان کا انجام فنا نہیں بلکہ فنا کے بعد ایسی بقا ہے۔ جس میں دنیا میں کئے جانے والے ہر عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

نگہ وار فرصت کہ عالم دمے است
دم پیش عالم بہ از عالمے است

آخرت کی فکر کر کے اپنے اعمال وافعال کا محاسبہ کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا گیا ہے۔

ارشادِ ربّ العزّت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (الحشر:۱۸)

''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص دیکھے کہ اُس نے کل کے لئے آگے کیا بھیجا ہے، اللہ سے ڈرو، وہ یقیناً تمہارے اعمال سے باخبر ہے''۔

اِس آیت کریمہ میں آخرت کی زندگی کو ''کل'' سے تعبیر کیا گیا ہے، گویا دنیا کی پوری زندگی ''آج'' ہے۔ خوش بخت ہیں وہ لوگ جو کل کی فکر میں اپنی چند روزہ زندگی کو اعمالِ صالحہ سے مزّین کر رہے ہیں۔

اصلاح معاشرہ:

کون نہیں جانتا کہ انفرادی زندگی کے اثرات اجتماعی زندگی پر مرتّب ہوتے ہیں۔ تقویٰ جس کا تعلق اگرچہ مجموعی طور پر فرد ہی سے ہے لیکن اجتماعی اصلاح بھی اُسی صورت میں ممکن ہو سکتی ہے جب کہ اسلامی معاشرے سے متعلق ہر شخص متقی ہو۔

تقویٰ اگر ایک طرف انفرادی کردار کی تعمیر کرتا ہے تو دوسری طرف اجتماعی کردار کی تشکیل یعنی اصلاح معاشرہ کی راہیں بھی ہموار کرتا ہے۔ دنیا میں جتنی اخوت اور مروّت مسلمانوں کے درمیان پائی جاتی ہے کسی اور نظام کے پیروکاروں میں نہیں پائی جاتی، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ''اصلاح بین المسلمین'' (مسلمانوں کی اصلاح) کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا ہے۔

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (الحجرات:۱۰)

''بے شک مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں لہٰذا اپنے بھائیوں کے درمیان صلح کا نظام قائم رکھو اور ڈرو اللہ سے تا کہ تم پر رحم کیا جائے''۔

تقویٰ کے اِس تقاضے یعنی مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی درستگی کی اہمیت حضور ﷺ کے اِس ارشاد سے بھی واضح ہوتی ہے کہ:۔

''حضرت نعمان ابن بشیر ؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تو مومنوں کو باہمی رحم دلی، محبت اور ارتباط میں ایک بدن کی مثال دیکھے گا کہ جسم کا اگر ایک عضو کسی تکلیف میں مبتلا ہوتا ہے تو سارا جسم بخار اور بے خوابی کا شکار ہو جاتا ہے''۔

اس قسم کا ایک اور مضمون حضرت ابو ہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مسلمان مسلمان کا بھائی ہوتا ہے، وہ نہ تو اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اس کو چھوڑتا ہے اور نہ ہی اُس کی تحقیر کرتا ہے۔ ''تقویٰ یہیں ہے'' سینے کی طرف تین مرتبہ اشارہ فرمایا۔ مزید ارشاد فرمایا: ''انسان کے لئے یہی شر کافی ہے کہ وہ اپنے مسلم بھائی کی تحقیر کرے۔ ہر مسلمان کی جان، مال اور عزّت دوسرے مسلمان پر حرام ہے''۔

اتحادِ ملّت:

کسی قوم کی سب سے بڑی خوش قسمتی اور سعادت یہ ہوتی ہے کہ اس کی صفوں میں مکمل اتفاق و اتحاد ہو۔ افتراق و انتشار سے اسے نفرت ہو۔

یہی وہ نعمت عظمیٰ ہے جس سے قومی زندگی کو بقا حاصل ہوتی ہے اور اسی کی وجہ سے ملّی عزّت اور وقار پائندہ و تابندہ رہتے ہیں، بخلاف اِس کے تشتت و افتراق سے حیاتِ ملّی خطرے میں پڑ جاتی ہے اور قومیں تباہی کے گڑھے میں گر جاتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآنِ حکیم نے ایک

www.daleelerah.info www.shahjee.net

مقام پر جہاں تقویٰ کا ذکر کیا، ساتھ ہی اتحادِ باہمی کا ذکر کرتے ہوئے اس کے فوائد سے آگاہ فرمایا اور بے اتفاقی کو جہنم کا گڑھا قرار دیا۔

يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾ وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ (آلِ عمران: ۱۰۲، ۱۰۳)

''اور تم کیسے انکار حق کر سکتے ہو حالانکہ تم پر اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے بے شک جس نے اللہ کا سہارا لیا تو وہ سیدھی راہ کی ہدایت دے دیا گیا۔ اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے جیسے کہ اُس سے ڈرنے کا حق ہے اور تمہیں ہرگز موت نہ آئے مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو اور اللہ کی رسی کو سب مل کر مضبوطی سے تھام لو اور آپس میں بکھر نہ پڑو اور اپنے اُوپر اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ جب تم آپس میں دشمن تھے تو اُس نے تمہارے دلوں کو جوڑ دیا اور تم سب اس کی نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم تو آگ کے ایک گڑھے کے کنارے تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیتیں بیان فرماتا ہے تاکہ تم ہدایت پر قائم رہو''۔

ہر وہ قوم جو اپنے مقصدِ حیات سے منحرف ہو کر اصولوں کو ترک کر کے جزئیات و فروعات میں الجھنے کی کوشش کرتی ہے اُس کے ہاں بگاڑ کا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے اور جب کوئی ملّت تفرقہ کا شکار ہو جائے تو اس کی اصلاح و تعمیر کا ہر امکان معدوم ہو جاتا ہے۔

مسلمان کئی بار اس الہامی اصول کے نتائج و عواقب دیکھ چکے ہیں۔ چودہ سو سال کی تاریخ میں کئی بار ایسے ہوا کہ لوگ باہمی عداوتوں کا شکار ہوئے، رائے کے اختلاف سے بڑھتے بڑھتے

www.daleelerah.info www.shahjee.net

پہلے مکتب خیال بنے، پھر فرقے بنے اور پھر اللہ کی انتقامی کارروائی کے شکار ہوئے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس عرصہ میں کسی کو بندر نہیں بنایا گیا۔ آسمان سے کوئی چنگھاڑ یا چیخ نازل نہیں ہوئی، پتھروں کی بارش نہیں کی گئی، لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ مسلمانوں کے بارے میں یہ قانون فطرت بدل گیا۔ حقیقت یہ ہے کہ حضور ﷺ کی دائمی شفقت اور رحمت ہے جس کے زیرِ سایہ مسلمانوں پر اس قسم کا عذاب نازل نہیں ہوسکتا ورنہ کسی نہ کسی صورت میں ان کو بھی جھنجھوڑا گیا۔

غلبہ، استیلا، خلافت اور تمکن فی الارض کی نعمتیں ان سے چھینی گئیں۔ غلامی کے عذاب میں انہیں گرفتار کیا گیا اور آج بھی کتنے ہی مسلمان عملی طور پر یا نظریاتی اور تہذیبی لحاظ سے غلامی کی سسکیاں بھر رہے ہیں۔ کیا اس سے بڑا عذاب بھی کوئی اور ہوسکتا ہے۔ دنیا میں غلامی سے بڑھ کر بھی کوئی ذلت اور رسوائی ہوسکتی ہے۔

تفرقہ اور اختلاف کے جُرم عظیم پر ذرا خالقِ کائنات کی ناراضگی کا اندازہ کیجئے:

وَاِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاتَّقُوْنِ ﴿۵۲﴾ فَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ زُبُرًا ۭ كُلُّ حِزْبٍۢ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ ﴿۵۳﴾ فَذَرْهُمْ فِيْ غَمْرَتِهِمْ حَتّٰى حِيْنٍ (المومنون: ۵۲ تا ۵۴)

"اور بے شک یہ دین تمہارا دین ایک ہی ہے اور میں تمہارا ربّ ہوں سو مجھ ہی سے ڈرو۔ تو اُن لوگوں نے اپنے کام کو بکھیر کر رکھ دیا باہم ٹکڑے ٹکڑے ہوکر، ہر پارٹی جو اس کے پاس ہے اس پر خوش ہے۔ تو انہیں ایک وقت تک اُن کی سرمستی میں رہنے دیجیے"۔

مسلمانانِ عالم کی فوز و فلاح، کامیابی و کامرانی، عزت و وقار، حیات و بقا اسی میں ہے کہ وہ ایک رہیں۔ فروعی اختلافات کو ترک کر کے ایک دوسرے کی طرف رفاقت کا ہاتھ بڑھائیں۔

تقویٰ جو اسلامی کردار کا نام ہے۔ اس کا تقاضا یہی ہے کہ مسلمان حسب و نسب کے امتیاز مٹا کر وحدت کی لڑی میں پروئے جائیں۔

اور یاد رکھیئے کہ اگر مسلمانوں نے اِس عظیم جُرم سے خلاصی حاصل کر لی تو ان کی عظمت و اقتدار کے ترانے ارض وسماء پر گونجیں گے۔

شعائراللہ کی تعظیم:

قرآنِ حکیم میں ارشادِ ربُّ العزّت ہے:

وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَاللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ (الحج:۳۲)

''حکم یہی ہے اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم بجا لاتا ہے تو یہ دلوں کے تقویٰ سے ہے''۔

شعائر میں ہر وہ چیز شامل ہے جسے اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات خود مقرر کر دے یا اس کے انبیاء مقرر کریں یا اس کی نسبت اللہ کے کسی صالح بندے سے ہو جائے۔ اس سے تبرکات بزرگانِ دین سے محبت اور ان کے احترام کا سبق بھی ملتا ہے، اس لئے کہ محبت مطلق کسی شَے سے نہیں ہوتی بلکہ اس لئے کہ اُس کا تعلق بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ کی ذات کے ساتھ ہوتا ہے۔

مثلاً حجرِ اسود کو بوسہ دیا جاتا ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ پتھر ہے بلکہ اس لئے کہ اُس کا تعلق اور نسبت اللہ کے ساتھ ہے اور رسول اکرم ﷺ اُسے بوسہ دیتے رہے۔

قرآن مجید میں ایک مقام پر وارد ہوا ہے:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِاللّٰهِ (البقرہ:۱۵۸)

''بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں''۔

اِن پہاڑوں کا شعائر ہونا بھی اولیاء وانبیاء سے نسبت ہی کی وجہ سے ہے۔

احترامِ رسول ﷺ:

ایک آدمی تقویٰ کا ہر تقاضا پورا کرتا ہے لیکن احترامِ رسول ﷺ کے جذبات سے اگر اس کا سینہ خالی ہے تو وہ عنداللہ ماجور نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے تمام اعمال ختم کر دیئے جاتے ہیں۔ اخروی کامیابی کا اصل راز یہ ہے کہ دل کو محبتِ رسول ﷺ کے جذبات سے سرشار رکھے۔ محبتِ محبوب کے

ہر فعل کے احیاء کے لئے قربانی چاہتی ہے۔ آج کے حالات ہم سے تقاضا کرتے ہیں کہ ہم تحریکِ مصطفوی ﷺ کے رکن بن کر احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے کوشش کریں۔ اور زندگی کے ہر میدان میں ضابطہِ خداوندی سے رہنمائی حاصل کریں۔

وہ لوگ جو بظاہر کلمہ گو ہیں لیکن اُن کے دل محبتِ رسول ﷺ اور احترامِ نبی ﷺ کے جذبات سے عاری ہیں۔ ان سے بصد ادب واحترام گذارش ہے کہیں ایسا نہ ہو جائے کہ علمی ذوق پُورا کرتے کرتے ایمان سے بھی ہاتھ دھونے پڑ جائیں۔

لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ (الحجرات:۱)

''اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو اور ڈرو اللہ سے''۔

احترام کے لئے عندالرسول اپنی آوازوں کو پست رکھنے والوں کے متعلق فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى ؕ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ (الحجرات:۳)

''بے شک وہ لوگ جو اپنی آوازوں کو رسول اللہ کے سامنے پست رکھتے ہیں وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ نے تقویٰ کے لیے چن لیا ہے، ان کے لیے بخشش اور اجرِ عظیم ہے''۔

معلوم یہ ہوا کہ تقویٰ کی جان اور پرہیز گاری کی رُوح محبت رسول ﷺ اور احترامِ نبی ﷺ ہے۔

اس سے ایک یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اپنے شیخ اور استاد کا احترام کرنا اور اُن کے سامنے مؤدبانہ گفتگو کرنا بھی تقویٰ کا ایک تقاضا ہے۔

قیامِ عدل:

اسلام ایک عالمگیر تحریک کا نام ہے جس کا مقصود و منشور عالم انسانیات میں نیکی کا نظام قائم کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ تحریک اپنے ہر رُکن سے ایک مخصوص کیریکٹر کا تقاضا

کرتی ہے جسے تقویٰ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

تقویٰ جہاں انفرادی اور اجتماعی تعمیر و تطہیر کا نام ہے، وہاں اس کا ایک گہرا ربط تحریکِ اسلام کے منشور سے بھی ہے۔ مثلاً قرآن مجید نے جہاں عادات و اطوار اور رسوم و طرق کی اصلاح کو تقویٰ قرار دیا۔ اسلام کے منشور و مقصود تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جدوجہد کرنا بھی تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔

تعمیر کی ضد تخریب ہے۔ جب تک کوئی قوم قوانین فطرت کی پابند رہتی ہے اس کی رگوں میں تعمیری خون گردش کرتا رہتا ہے، گویا کہ بناؤ قانونِ عدل کی پابندی میں ہے اور بگاڑ اس صراطِ مستقیم سے ہٹ جانے کا نام ہے۔

مسلمان چونکہ خیر و بھلائی کا نظام دُنیا میں رائج کرنا چاہتا ہے۔ انسانیت کو بناؤ کا سبق دینا چاہتا ہے۔ تخریبی جراثیم کا خاتمہ اُس کا مدعا ہے، غرض کہ مسلمان کا یہی کیریکٹر تقویٰ اُسے قیامِ عدل کے لئے تیار کرتا ہے۔

وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۫
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ (المائدہ:۸)

"اور تمہیں کسی قوم کی دشمنی اس پر نہ اُبھارے کہ عدل نہ کرو عدل کرتے رہو یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے اور اللہ سے ڈرو بے شک اللہ تمہارے اعمال کو جانتا ہے"۔

عدل کے لئے اردو زبان میں لفظ "انصاف" استعمال ہوتا ہے اگرچہ معانی اور مطالب کے لحاظ سے "انصاف" میں وہ زور نہیں جو "عدل" میں ہے۔ اور اگر عدل کا معنی "توازن" کیا جائے تو زیادہ مناسب ہوگا۔ عالم رنگ و بو میں پروردگار کے تمام تر اُمور عدالت ہی کے ساتھ قائم ہیں یعنی عدل ہی وہ قانون ہے جو قیامِ ہستی کے لئے ضروری ہے۔ اس مقام پر دائرہ عدل وسیع سے وسیع تر ہو جاتا ہے۔ معاملات، مقدمات، نظامِ شمسی، سیاروں کی حرکت موسمی تغیر و تبدل اور تخلیق انسانیت و تکوینِ اشیائے عالم تک ہر ایک ہی تعادل و توازن کی مختلف مثالیں ہیں۔

www.daleelerah.info www.shahjee.net

ظلم ہو یا سرکشی، اسراف ہو یا تبذیر، فساد ہو یا اعتدا نظامِ عدل سے ہٹی ہوئی یہی وہ صورتیں ہیں جن کے عاملین کو قرآن نے کبھی تو شیطان کا بھائی کہہ کر پکارا اور کبھی اس سے ملتی جلتی کوئی اور اصطلاح استعمال کی۔

قرآن نے حقیقت عدل کے رموز سے آگاہی کے لئے اکثر مقامات پر غور وفکر کی دعوت بھی دی اور توازن اور تعادل کو مقصود ٹھہرایا اور صاف صاف کہہ دیا کہ جب تم بغیر ستونوں کے اٹھائے ہوئے آسمان کو دیکھتے ہو۔ جب تم اس حقیقت سے بخوبی آگاہ ہو کہ جَو سے جَو اور گندم سے گندم ہی پیدا ہوتی ہے تو پھر روزمرہ میں عدل سے انحراف کیوں؟

اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (المائدہ :۸)

''عدل کرتے رہو یہی پرہیزگاری سے زیادہ قریب ہے''۔

انفرادی زندگی ہو یا اجتماعی، مسائل یا سیاسی ہوں یا معاشی ہماری کامیابی کا راز اسلام کے نظام عدل ہی میں ہے اس لئے کہ یہ نہ تو حواسِ خمسہ کی تخلیق ہے اور نہ ہی وجدان کی پیداوار بلکہ منزل من اللہ ہونے کی حیثیت سے یہی وہ ضابطۂ حکمت ہے جسے اپنانے سے انسانیت عروج کے زینے طے کرتی ہے۔

اگر آج ہماری عدالتوں میں اسلام جو دین فطرت ہے اس کا قانون عدل لاگو اور قابلِ عمل نہیں تو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ ہمارے قانون دانوں کے نزدیک وہ قانون اس قابل نہیں کہ ان کے مسائل حل کر سکے۔ اگر ایسے نہیں تو نفاذ میں اتنی تاخیر کا مطلب کیا ہے؟

برصغیر پاک وہند میں انگریز نے ایک گہری سازش کی کہ مسلمانوں میں کچھ آدمی ایسے تیار کئے جنہوں نے قوم وملّت میں یہ تبلیغ شروع کر دی کہ دین صرف چند عبادات کا نام ہے حالانکہ اسلام ضابطہ کائنات ہے جو زندگی کے ہر گوشہ میں رہنمائی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

بقول شاعر:

جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

وفاشعارانِ اسلام!

اگر آپ امن وسکون چاہتے ہیں، اگر آپ کی خواہش زندگی کی راحت وآرام ہے، تو اس کا ایک ہی راستہ ہے۔ اسلام کے نظام عدل کی طرف لپکیں اور اس طرح تمہاری دعوت سے اہلِ جہاں جو جہالت کی تاریکیوں میں بھٹکتے پھر رہے ہیں اور اپنی شیطانیوں اور غفلت شعاریوں سے معاشرہ کو جہنم زار بنادیا ہے، اسلام کے انقلابی منشور سے آگاہی حاصل کریں۔

رسوم محض سے اجتناب:

کون نہیں جانتا کہ آج ہمارے معاشرے میں محض تقلیدی بنیادوں پر بہت سی ایسی رسوم کا آغاز ہو چکا ہے جو قیامِ دین کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ روائتی عظمتوں کی پرستش کی جاتی ہے۔ پہلے ایک عقیدہ گھڑا جاتا ہے، پھر اُس کی پرستش متواتر سے اس میں شانِ تقدیس پیدا کی جاتی ہے اور بعض ایسی رسمیں ہیں جن میں سوائے ضیاعِ دولت کے اور کچھ نہیں ملتا۔ قرآن مجید ان سب باتوں کی تردید کرتا ہے بلکہ ان کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

عربوں کا دستور تھا کہ جب وہ احرام باندھ لیتے اور گھروں میں آنے کی ضرورت پڑتی تو دروازوں سے داخل نہ ہوتے بلکہ پچھلی دیواروں سے سوراخ کر کے داخل ہوتے۔ چونکہ یہ رسمِ محض تھی، اس لئے قرآن نے اسے ایک لایعنی حرکت قرار دیتے ہوئے اس کے ترک کرنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا۔

ارشادِ ربی ہے:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ

(البقرہ :۱۸۹)

"اور نیکی یہ نہیں ہے کہ تم گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہو، نیکی تو دراصل تقویٰ ہے سو گھروں میں سیدھے دروازوں کی طرف سے آؤ اور ڈرو اللہ سے

تا کہ تمہیں فلاح نصیب ہو"۔

ہمارے ہاں بچّوں کی پیدائش پر، شادیوں کے رچانے میں اور ماتم کے موقع پر بعض نہیں بلکہ بے شمار ایسی رسمیں منائی جاتی ہیں جن کا تعلق اصل میں یا تو ہندوؤں سے ہے یا انگریزوں سے، قرآنی تعلیمات کو دیکھ کر ہمیں عبرت حاصل کرنی چاہئے اور ان مذموم رسوم واطوار کو غیرت مذہبی کو کام میں لاتے ہوئے صرف خود ہی ترک نہیں کرنا چاہئے بلکہ دوسرے حضرات جن کی سرشت میں ایسی عادات داخل ہیں انہیں بھی مجبور کیا جائے کہ تقلید غیر سے باز رہیں اور شیطان کو خوش نہ کریں۔

البتہ بعض دیہاتوں میں بعض لوگوں کو دینی اصولوں کا پابند دیکھ کر نہایت مسرت محسوس ہوتی ہے اور ان کے جذبۂ دین کو داد دینا پڑتی ہے۔ فی الحقیقت اسلام ایک سادہ اور قابلِ عمل دین ہے۔ یہ عین فطرت کے مطابق ہے۔ اسے کسی رسم کے پیوند کی ضرورت نہیں۔ رسوم پرست لوگ خود بھی اُن سے تنگ ہیں، لیکن ان کے ضمیر کی آواز جب جذبۂ نمائش کی نذر ہو جاتی ہے تو وہ ہر وہ کام کرتے ہیں جو اُن کا من اجازت دیتا ہے۔

غیر اقوام کی تقلید سے بیزاری:

مسلمان کسی قوم یا ملک کا نام نہیں۔ بلکہ یہ اللہ کی وہ جماعت ہے جس کا منشور نیکی کو غالب کرنا ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس کا اپنا ایک پروگرام ہے۔ اس کے پاس زندگی گزارنے کے اپنے اُصول ہیں۔ ہر وہ آدمی جو اس کے اصولوں کو کسی بھی میدان میں ٹھکراتا ہے، تو اس کا مطلب صاف ظاہر ہے کہ وہ اس کے پروگرام سے متفق نہیں۔ اس کو وہ اصول اچھے نہیں لگتے جو حضور ﷺ نے پیش کئے تھے۔

تقویٰ کا تقاضا یہ ہے کہ ان اصولوں کو نہ اپنایا جائے جو اسلام سے ٹکر کھاتے ہیں۔ ان باتوں پر کان نہ دھرے جائیں جو غیر اقوام "نظامِ مصطفےٰ ﷺ" کو ختم کرنے کے لئے کرتی ہیں۔ غیر قوموں کی تقلیدی زنجیریں اپنے پاؤں میں نہ ڈالی جائیں اور غلامی سے اپنی گردنوں کو بچایا جائے۔

www.daleelerah.info www.shahjee.net

اگر ایک آدمی دین کو سیاسی لحاظ سے تھائیو کریسی یعنی پاپائیت کا نام بھی دے، مسجد کو بھولے سے بھی نہ آئے، محمد رسول اللہ ﷺ کی سنتوں کا مذاق بھی اڑائے اور پھر اپنے آپ کو ایک مسلمان سمجھے اور اپنی حرکات کو قابلِ نجات خیال کرے تو یہ مسئلہ نا قابلِ فہم ہے۔

نجات اگر ہے تو صرف اس میں کہ اتھارٹی صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مانی جائے۔ ہمارا قرآن جب ہر اُس معاملہ میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔ جس میں ہماری بہتری ہے۔ تو پھر اس نظام کے مقابلہ میں ہمارے دل فسانے کیوں تراشتے ہیں۔ ہماری جبینیں شیطانوں کے سامنے کیوں جھکتی ہیں۔ ہمارے ہاتھ خود ہی آذری کا شیوہ کیوں اختیار کرتے ہیں۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارت
تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ کے اشارت سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگِ مفاجات

آج بھلائی کی بھیک کے لئے ہم کشکول لئے کافروں اور منافقوں کے دروازوں پر پھرتے ہیں۔ آج ہماری اطاعت کا معیار لادین عناصر کی خوشامد بن چکا ہے۔

ارشادِ ربّ العزّت ہے:

يَاأَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللَّهَ وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَالْمُنَافِقِينَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا (الاحزاب:۱)

''اے نبی! اللہ سے ڈرنا اختیار کیے رکھو اور منکرین حق اور منافقین کی بات نہ مانو بے شک اللہ علم والا اور حکمت والا ہے''۔

اس آیت میں جاہلیت کی رسوم پر ضرب کاری لگائی گئی ہے اور منافقین اور کفار کی اطاعت سے منع فرمایا گیا ہے۔

اللہ کرے ہم انگریز کی اطاعت سے خلاصی حاصل کرلیں ورنہ معاش ہو یا معیشت، سماج ہو یا سیاست، فوج ہو یا کوئی اور ادارہ ہمارا ہر فعل غیر اقوام کی تقلید میں ہے۔

وعدے کی پابندی:

وعدے کی نوعیت نجی ہو یا کاروباری، عہد اللہ سے کیا جائے یا مخلوق سے، بہر صورت اس کی پابندی کرنا تقویٰ کے تقاضوں میں سے ہے۔

قرآن نے ایک جگہ یہود کے بارے میں ان کی عہد شکنی کی بدولت ہی کہا:

اَلَّذِيْنَ عٰهَدْتَّ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَهُمْ فِيْ كُلِّ مَرَّةٍ وَّهُمْ لَا يَتَّقُوْنَ

(الانفال:۵۶)

''وہ لوگ جن سے آپ نے معاہدہ فرمایا تھا ہر بار وہ اپنے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور ڈرتے تو ہیں ہی نہیں''۔

سورۂ توبہ میں ایک مقام پر حضور ﷺ کو مشرکین سے بھی وعدہ پورا کرنے کو کہا گیا ہے۔

ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَتِمُّوْٓا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ

(التوبہ:۴)

''اُن کے ساتھ مدت مقررہ تک معاہدہ پورا کرو بے شک اللہ تقویٰ داروں سے محبت کرتا ہے''۔

سورۂ مائدہ میں ارشادِ ربانی ہے:

''اے مومنو! اپنے بندھے ہوئے وعدوں کو پورا کرو''۔

ایک اور مقام پر آتا ہے:

اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ (بنی اسرائیل :۳۴)

''بے شک عہد کرنے والے سے پوچھ ہوگی''۔

حضور سرورِ عالم ﷺ نے ہمیشہ وعدے کی پابندی کی اور ساتھ ہی اپنے پیروکاروں کو ایفائے عہد کی تلقین کرتے رہے۔ آپ ﷺ کی مشہور و معروف حدیث ہے کہ:

لَا دِیْنَ لِمَنْ لَا عَھْدَ لَہٗ۔

''اس کا دین نہیں جس کا عہد نہیں''۔

ایک موقع پر جب حضور ﷺ اسلامی لشکر کے ساتھ بدر میں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے۔ قلتِ تعداد کی وجہ سے ایک ایک آدمی کی ضرورت پڑ رہی تھی۔ دو صحابی حضرت حذیفہ ؓ اور حضرت حسیل ؓ جنہوں نے مشرکین سے عدم شرکت کا وعدہ کر لیا تھا حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساری داستان سنائی تو آپ ﷺ نے ان کو مدینہ بھیج دیا اور فرمایا ہم وعدے کی پابندی کریں گے۔

عہد کو پورا کرنا بھی تقویٰ کے لوازمات میں سے ہے اور متقین کا شعار ہے۔

وعدہ کرتے ہوئے اس بات کا لحاظ ضرور رکھنا چاہیے کہ کیا جانے والا وعدہ کہیں اسلامی شریعت کی رُوح کے خلاف نہ ہو بلکہ زبان سے ہی ایسے الفاظ نہیں نکالنے چاہئیں، جن پر عمل کرنا ممکن نہ ہو۔ اسلام نے اس بات سے بھی منع کیا ہے، ایسی باتیں نہ کیا کرو جو تم نہیں کر سکتے، اس لئے کہ یہ اللہ کے ہاں بڑے غصے کی بات ہے۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ (الصف:۲)

''اے ایمان والو! تم کیوں کہتے ہو وہ بات جو کرتے نہیں ہو''۔

واللہ اعلم بالصواب

اصولِ تعاون:

اِسلام کا مقصد نیکی اور بھلائی کو برائیوں پر غالب کرنا ہے، اس لئے یہ اپنے ہر ماننے والے کو اِس بات پر اکساتا ہے کہ نیکی کے کاموں میں ایک دوسرے کا ساتھ دیا جائے۔

قرآن مجید نے اس سلسلہ میں ایک زرّین اصول قائم کیا ہے:

وَتَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ۪ وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۪ وَ

www.daleelerah.info www.shahjee.net

اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝ (المائدہ:۲)

''نیکی اور تقویٰ کے لیے آپس میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور ظلم میں ایک دوسرے کا تعاون نہ کرو''۔

یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ کسی انقلابی گروہ کی کامیابی یا ناکامیابی کا دارومدار، تعاون اور عدم تعاون پر ہی ہوتا ہے۔ اگر نیک کام میں تعاون نہ کیا جائے تو جن مقاصد کے لئے کوئی تحریک چلائی جاتی ہے۔ ان کا پُورا ہونا کافی حد تک ناممکن ہوتا ہے۔ مسلمان جن کی زندگی کے منشور میں ہی یہ بات شامل ہے کہ دنیا سے فاسد نظام کو ختم کیا جائے اور نظامِ مصطفےٰ ﷺ کو رائج کر کے پسی ہوئی انسانیت کو نجات دلائی جائے۔ اگر ان کے کچھ افراد اُن باتوں میں مدد کرنی شروع کر دیں جن سے باطل کے اصولوں کو تقویت پہنچتی ہو تو نظام حق کے لئے چلائی گئی تحریک کو نقصان ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرف کے ہر فرد پر یہ قید لگا دی ہے کہ مدد کے ہاتھ صرف نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اٹھنے چاہئیں۔ اگر کوئی شخص اثم اور عدو ان کو پھیلانے کی سعی میں مصروف ہوتا ہے تو اُسے یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بہت سخت ہے۔

رائے یا ووٹ ایک مسلمان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی ایک مقدس امانت ہے۔ اس کا صحیح استعمال '' تعاون علی البرّ و التّقویٰ ''میں شامل ہے اور اس کا غلط استعمال '' تعاون علی الاثم '' کے ضمن میں آتا ہے۔

اگر کوئی شخص اپنے حق رائے کو کسی باطل نظام کی تائید میں استعمال کرتا ہے تو وہ '' اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ '' کے زمرے میں آتا ہے۔

یاد رہے کہ اسلام کے مقابلہ میں ہر اختراعی نظام باطل ہے خواہ وہ جمہوریت ہو یا سوشلزم، کمونزم ہو یا لادینیت۔ زندگی کے کسی شعبہ میں اسلام کسی پیوند کا محتاج نہیں بلکہ اگر کوئی شخص جمہوریت یا سوشلزم کا پیوند لگاتا ہے تو حقیقت میں وہ اپنے باطل نظریات پر اسلام کا لیبل لگا کر مسلمانوں کی

آنکھوں پر ہاتھ رکھتا ہے، سور کی گردن پر اگر بسم اللہِ اللہ اکبر کہہ کر چھری پھیر دی جائے تو وہ کبھی حلال نہیں ہوتا۔

غیبت سے بچنا:

حضرت ابو ہریرہ ؓ حضور سرکار دو عالم ﷺ سے حدیث نقل کرتے ہیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

'' کیا تم جانتے ہو غیبت کیا ہے''۔ لوگوں نے کہا کہ'' اللہ اور رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا:'' تمہارا اپنے بھائی کو اس طرح یاد کرنا جو اُسے ناگوار گزرے''۔ آپ ﷺ سے کہا گیا کہ'' اگر وہ بات اُس میں موجود ہو تو آپ ﷺ نے جواب دیا، اگر وہ اُس میں موجود ہو تو تم نے غیبت کی، اگر نہیں تو تم نے بہتان باندھا''۔

حدیثِ مذکورہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے عیبت کی تعریف یوں کی جاسکتی ہے کہ کسی مسلمان کی غیر حاضری میں اُس کی کوئی ایسی بات کرنا جو اُسے ناگوار گزرے وہ غیبت کہلاتی ہے۔ وہ بُرائی جو بیان کی گئی ہو برابر ہے کہ اُس میں موجود ہو یا نہ ہو۔

قرآن مجید نے غیبت کی مذمت کی اور اس سے بچنے کو تقویٰ کا تقاضا قرار دیا:

وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ۚ اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّاْكُلَ لَحْمَ اَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۚ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات:۱۲)

'' اور نہ کرو ایک دوسرے کی غیبت، کیا تم میں سے کوئی پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اسے تو تم خود مکروہ سمجھتے ہو اور ڈرو اللہ سے یقیناً اللہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

حضور ﷺ نے عملی طور پر بھی غیبت کی مذمت ایک دفعہ اسی صورت میں کی، جب کہ ماعز بن مالک اسلمی کو زنا کے جُرم میں رجم کی سزا دی گئی۔ تو دو صحابیوں نے ان پر تنقید کی۔ حضور ﷺ

www.daleelerah.info www.shahjee.net

نے سُن لیا، کچھ دُور راستے میں آپ ﷺ کی نظر ایک گدھے پر پڑی۔ آپ ﷺ نے ان صحابیوں کو بلایا اور فرمایا کہ اس کو کھانا شروع کرو۔ انہوں نے جواب دیا: ''اسے کون کھائے''۔ آپ ﷺ نے ان سے کہا کہ ابھی جو تم اپنے مُردہ بھائی پر حرف زنی کر رہے تھے۔ وہ اس کے کھانے سے زیادہ بُری تھی۔

بدکاری سے اجتناب:

بیماریوں کے جراثیم کو مارنا عین مصلحت ہوتا ہے۔ قومِ لوط کی اخلاقی پستی جب حد کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے اس کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینا ہی مناسب جانا، حضرت لوط علیہ السّلام کے گھر فرشتوں کو نہایت خوبصورت لڑکوں کی صورت میں بھیجا گیا۔ قومِ لوط خوشیاں مناتی ہوئی آئی اور حضرت لوط علیہ السّلام کے گھر کو گھیر لیا۔ وہ کیا جانتے تھے کہ خوبصورتی کے روپ میں ان کی تباہی کا سامان مہیا کیا گیا ہے۔ کتنی ہی بدنصیب قوم تھی کہ اپنی بربادی پر قہقہے لگا کر وقت کے نبی سے قیل و قال کر رہی تھی۔ خُدا کی کارسازیاں بھی عجیب ہیں۔ چاہے تو یوسف علیہ السّلام کو کنوئیں میں پھینک کر، گھر سے بے گھر کر کے، بازارِ مصر میں بیچ کر زنداں کی سختیاں دے کر اس کے عروج کے زینے طے کروائے اور چاہے تو قومِ لوط کے سامنے حسن رچا کر ان سے قہقہے لگوا کر واصلِ جہنّم کر دے۔

جب لوط علیہ السّلام کی قوم نے آپ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان لڑکوں کو ان کے حوالے کر دیں، تو لوط علیہ السّلام نے بڑے مؤثر انداز میں قوم کو تقویٰ کی تلقین کی۔ فرمایا:

قَالَ اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ۝ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ

(الحجر: ۶۹۔۶۸)

''کہا بے شک یہ میرے مہمان ہیں پس تم مجھے ان کے بارے میں شرمسار نہ کرو اور اللہ سے ڈرو اور مجھے شرمندہ نہ کرو''۔

جب حضرت لوط علیہ السّلام کی قوم نے اپنے نبی کی دعوت کو نہ سُنا تو وہی لڑکے اُن کے

www.daleelerah.info www.shahjee.net

عذاب کا باعث بنے اور قومِ لوط کو ایک چنگھاڑ نے لے لیا۔ اس طرح عذابِ الٰہی کا وعدہ پورا ہوا۔

قومِ لوط کو عذاب میں گرفتار کرنے کی وجہ یہی تھی کہ وہ بدکاری اور بدفعلی کے اَڈّے جما کر فحاشی، عریانیت، زنا کاری اور لواطت کا درس دیتے تھے۔ ان کے اس قومی نوعیّت کے جرم پر رب العزّت نے انہیں زمین میں دھنسا دیا۔

ہلاکتِ قومِ لوط سے ہمیں عبرت حاصل کرنے چاہیئے اور بدکاری اور اس کے مقدمات سے مکمل اجتناب برتنا چاہیئے۔

اساسِ عمل:

اعمال اور مختلف افعال کا حسن انسان کے باطنی ارادے اور حسنِ نیّت کا مرہونِ منّت ہوتا ہے۔ بظاہر کوئی کام کتنا ہی حسین اور دل کش کیوں نہ ہو، جب تک ارادہ اور نیّت صحیح اور درست نہ ہو وہ کام نامقبول ہوگا۔ اس اعتبار سے تمام نیکیوں اور سارے امور کی بنیاد چونکہ حسنِ نیّت اور خلوص پر ہے۔ اس لئے قرآن حکیم اسے ''تقویٰ'' قرار دے کر سارے اعمال کی اساس قرار دیتا ہے اور ہر وہ کام جس کی بنیاد ''تقویٰ'' پر نہ ہو، اسے قابلِ مذمت سمجھتا ہے۔ ان امور کو مضبوط اور مستحکم کرنے کا حکم صادر فرماتا ہے۔ ''جن کی بنیاد تقویٰ پر ہو''۔

ہمارے اس مؤقف کو مسجدِ ضرار کا واقعہ قوت دیتا ہے۔

ارشادِ ربِّ ذوالجلال ہے:

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَمْ مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ (التوبہ:۱۰۹)

''تو کیا وہ شخص جس نے اپنی عمارت کی بنیاد اللہ سے ڈرنے اور اُس کی رضا پر رکھی بہتر ہے یا وہ جس نے اپنی عمارت کی بنیاد ایک گرنے والے گڑھے کے بھربھرے کنارے پر رکھی''۔

اور اس مسجد کو عبادت کے لئے حقدار قرار دیا جس کی بنیاد تقویٰ پر ہو۔

www.daleelerah.info www.shahjee.net

لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ

(التوبہ: ۱۰۸)

''وہ مسجد جس کی بنیاد پہلے ہی دن سے تقویٰ پر رکھی گئی ہے زیادہ حق دار ہے کہ آپ اس میں قدم رکھیں''۔

اسی طرح سارے امور کی جان اللہ تعالیٰ نے تقویٰ قرار دیا۔ سفرِ زادِراہ کا مسئلہ ہو تو ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى (البقرہ:۱۹۷)

''اور زادِراہ اکٹھا کیا کرو بہترین زادِراہ تو تقویٰ ہے''۔

جسم کی زیب وزینت کی بات ہو تو پھر ''تقویٰ'' ہی ملحوظِ نظر وعمل رکھنے کی تلقین فرمائی۔

وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ (الاعراف ۲۶)

''اور تقویٰ کا لباس ہی بہتر ہے''۔

عفوودرگزر:

خداوند کریم نے عفوودرگزر کو ''تقویٰ'' کے نہایت ہی قریب قرار دیا:

وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى (بقرہ:۲۳۷)

''اگر عفو سے کام لو تو تقویٰ سے زیادہ قریب تو یہی ہے''۔

ایک اور آیت میں تصور کرنے والوں کو معاف کر دینے کا اشارہ اس طرح فرمایا:

وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا ۭ اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (النور:۲۲)

''چاہیے کہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم پسند نہیں کرتے کہ اللہ تمہیں بخش دے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

غصہ اور غضب کے وقت ضبط وسکون کے حاملین اور معاف کر دینے والوں کے بارے

www.daleelerah.info www.shahjee.net

میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ (شوریٰ:۳۷)

''اور جب انہیں غصہ آئے تو معاف کرتے ہوں''۔

وہ لوگ جو عفو و درگزر کو اپنا شعار بناتے ہیں اللہ تعالیٰ نے سورۂ آل عمران آیت نمبر ا میں ان کی مغفرت اور ان کے لئے وسیع جنّت کا وعدہ فرمایا ہے۔

سورۂ شوریٰ میں صبر اور معاف کر دینے کی صفت کو بڑی اہمیّت کی بات قرار دیا گیا۔

وَ لَمَنْ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِكَ لَمِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ (شوریٰ:۴۳)

''اور جس نے صبر کیا اور معاف کیا یقیناً ایسا کرنا ہمت آفرین کاموں میں سے ہے''۔

عفو و درگزر کی فضیلت میں ایک بار رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وما زاد الله رجلًا يعفو الا عزًا۔

''درگزر کرنے والے کی اللہ تعالیٰ عزت بڑھا دیتا ہے''۔

اللہ نے قرآنِ حکیم میں محسنین کی جن صفات کے ساتھ تعریف کی ان میں معاف اور درگزر کرنے کی صفت کو بھی گِنا۔

وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

(آلِ عمران: ۱۳۴)

''اور غصّہ کو پی جانے والے اور لوگوں سے درگزر کرنے والے ہوتے ہیں اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ:

''ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے آ کر کہا: ''یا رسول اللہ ﷺ! میں اپنے خادم کا قصور کتنا معاف کروں''۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر روز ستر بار''۔

حضرت ابوسعود صحابی ؓ کا بیان ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

''ایک دفعہ میں اپنے غلام کو پیٹ رہا تھا، پیچھے سے آواز آئی'' جان لو، جان لو''۔ دیکھا تو حضور نبی کریم ﷺ ارشاد فرما رہے تھے: ''ابوسعود! جتنا تم خادم پر قابو رکھتے ہو اس سے زیادہ خدا تم پر قابو رکھتا ہے''۔ ابوسعود فرماتے ہیں کہ اس بات کا مجھ پر اتنا اثر ہوا کہ پھر میں نے کسی غلام کو نہ مارا۔

سچائی:

قرآنِ حکیم نے صدق اور سچائی کو بھی متقی کی صفات میں گنا۔

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ (الزمر: ۳۳)

''اور وہ جو سچ لائے اور تصدیق کی اس سچ کی یہی لوگ ہیں جو پرہیزگار ہیں''۔

صدق اور سچائی کو جہاں خدائی صفت ہونے کا شرف حاصل ہے، وہاں انسانی اخلاق کے میدان میں بھی اسے سب سے اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے۔ صدق چونکہ دل اور زبان کی ہم آہنگی کا نام ہے، اس لئے اگر سچائی اور صداقت حاصل ہو جائے تو نیکیوں کا حصول آسان ہو جاتا ہے۔

اعمال اور اخلاق کی بنیاد سچائی ہے۔ اسی لئے اسلام نے صرف ''صدق'' کے اختیار کرنے کا حکم ہی نہیں دیا بلکہ ہمیشہ سچوں کے ساتھ رہنے کا مسلمانوں کو پابند بناتے ہوئے اس کو تقویٰ کا ایک تقاضا قرار دیا ہے۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ كُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ (التوبہ: ۱۱۹)

''اے ایمان والو! ڈرو اللہ سے اور سچوں کے ساتھ ہو جاؤ''۔

قیامت کے دن بھی صدق ہی کام آئے گا۔

هٰذَا یَوْمُ یَنْفَعُ الصّٰدِقِیْنَ صِدْقُهُمْ (المائدہ: ۱۱۹)

اللہ فرمائے گا:

''آج کے دن میں صدق والوں ہی کو ان کا صدق فائدہ دے گا''۔

www.daleelerah.info www.shahjee.net

امامِ غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں ''صدق'' کی چھ اقسام بیان کی ہیں:

۱۔ زبان کی سچائی

۲۔ نیت کی سچائی

۳۔ عزم کی سچائی

۴۔ عزم کو تکمیل تک پہنچانے کی سچائی

۵۔ عمل میں سچائی

۶۔ امورِ دینیہ میں سچائی

صدق کی برکت کے بارے میں حضور ﷺ کی وہ روایت ملاحظہ ہو جس میں ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کی تھی کہ مجھ میں چار بُری خصلتیں ہیں، یارسول ﷺ اللہ! ایک کو چھوڑ دینے کی تلقین فرمائیں۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: ''جھوٹ بولنا چھوڑ دو''۔ تو اللہ تعالیٰ نے ترکِ جھوٹ اور سچائی اختیار کرنے کی وجہ سے اسے ساری بُری خصلتوں سے محفوظ کر دیا۔

اللہ تعالیٰ سچ اختیار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اِحسان:

تقویٰ کا تعلق چونکہ شخصی اور اجتماعی حسن اور جمال کے ساتھ ہے۔ ظاہری اور باطنی ہر قسم کی خوبیاں تقویٰ میں داخل ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم ان تمام اوصاف شخصی و اجتماعی اور افعالِ خیر کے لئے ایک جامع اصطلاح ''احسان'' استعمال کر کے اسے تقویٰ کا تقاضا قرار دیتا ہے۔

وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا

(النساء:۱۲۸)

''اور اگر تم نیکی کرو اور تقویٰ اپناؤ تو بے شک اللہ جو تم کرو گے اس سے باخبر ہے''۔

ہر قسم کی نیکی خواہ وہ بصورتِ فعل و عمل ہو یا تصور و عقیدہ احسان کے مفہوم میں داخل ہے

www.daleelerah.info www.shahjee.net

لیکن قرآنِ حکیم میں شکر، مصیبت سے نجات دلانا، حقوق کی ادائیگی، صدقات اور قرضِ حسنہ وغیرہ کو احسان قرار دیا گیا۔ رسول اللہ ﷺ نے رحم و کرم، مہمان نوازی، تنگ دست کو مُہلت، گردنوں کے چھڑانے، صلہ رحمی، اچھی گفتگو، ضعیف کی مدد، بھوکے کو کھلانا، پیاسے کو پانی پلانا اور ایذا رسانی سے اجتناب کرنے کو ''احسان'' قرار دیا۔

اللہ تعالیٰ نے محسن کے بارے ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ

(آلِ عمران: ۱۳۴)

''اللہ احسان کرنے والوں سے محبت کرتا ہے''۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل امین نے رسولِ کریم ﷺ سے سوال کیا۔

اخبر نی عن الاحسان۔

''یارسول اللہ ﷺ! احسان کے بارے میں ہمیں خبردار کیجئے''۔

حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ان تعبداللّٰہ کانک تراہُ فان لم تکن تراہ فانّہٗ یراک۔

(مشکوٰۃ: کتاب الایمان)

''تو اللہ کی عبادت ایسے کرے جیسے کہ تو اُسے دیکھ رہا ہے، یا اگر تو اسے نہیں بھی دیکھ رہا تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے''۔

یہاں پر محدثین نے احسان سے مراد ''اخلاص'' لیا، چونکہ تصوف کی حقیقت بھی یہی ''اخلاص'' ہے جو بدرجہ اتم سالک کو حاصل ہو جاتی ہے۔ اس اعتبار سے بعض متصوفین نے تصوف کا ماخذ احسان قرار دیا۔ حدیث شریف میں احسان کے مفہوم کو اسلام اور ایمان سے الگ قرار دیا گیا۔ جس کو اگر اسلام سے علیٰحدہ قرار نہ بھی دیا جا سکتا ہو، تاہم پھر بھی کم از کم مسلمان کی عرفانی زندگی پر ضرور دلالت ہے۔

صبر:

سفینۂ حیات کو موت کے ساحل تک پہنچنے کے لئے متعدد آبناؤں سے گزرنا پڑتا ہے، کبھی تو حسین تمنائیں اور فرحت بخش امیدیں اس کا استقبال کرتی ہیں اور کبھی غم و آلام اور کرب و مصائب کے وجود پاش تھپیڑے اس کو اپنے نرغے میں لے لیتے ہیں۔ حالات کے بیکراں سمندر میں کبھی تو طرب ونشاط کی موجیں اُسے بلندیوں پر اٹھالیتی ہیں اور کبھی پریشانی اور اضطراب کے وحشت ناک بھنور میں جا پھینکتی ہیں۔

حالات کی نوعانوعی اور ہیجان انگیز انقلابات کے تنوع واختلافات پر کیا کسی شخص کو دل پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ جانا چاہئے۔ کیا مصائب پر آہ وفغاں اور ماتم ونوحہ کے علاوہ بھی کوئی راستہ ہے۔

ہاں وہ لوگ جنہیں قرطاسِ حیات پر واضح تقوش ثبت کرنے ہوں۔ ان کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ وہ ہر وقت مقاصدِ زندگی کی تکمیل کی خاطر جان کاوی، دیدہ ریزی اور محنت ومشقت کے ساتھ ساتھ نتائج کے انتظار میں صبر وثبات اور استقامت واستقلال کا دامن تھامے رکھیں۔

تقویٰ جو مسلمان کے اس کردار کا نام ہے جس سے اس کی شخصیت میں حسن، توازن، سنجیدگی، متانت اور وقار پیدا ہوتا ہے، مصائب وآلام کے وقت صبر اور مصابرہ بھی اس کا ایک تقاضا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ (آلِ عمران: ۲۰۰)

''اے ایمان والو! صبر کرو اور مقابلہ میں ثابت قدم رہو اور حفاظت دین کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو''۔

صبر کا معنیٰ کیا ہے؟

علامہ راغب اصفہانی لکھتے ہیں:

''تنگی اور شدّت کے وقت روکنے کو صبر کہتے ہیں''۔

عرب کہتے ہیں ''صبرتُ الدّابہ ''میں نے بغیر چارہ کے جانور کو روک لیا۔ جانشین بنا لینے کے معنوں میں بھی یہ کلمہ استعمال ہوتا ہے۔ اصطلاحاً نیک اعمال کرنے اور بُرے اعمال سے باز رہنے پر نفس کو پابند رکھنا صبر کہلاتا ہے۔

مصابرہ کا مفہوم صبر سے تھوڑا مختلف واقع ہوا ہے۔ عام طور پر اس کا مطلب دشمن کے مقابلہ میں پامردی دکھانا لیا جاتا ہے۔ باطل کے خلاف ایک دوسرے سے بڑھ کر کمر بستگی کا مظاہرہ کرنا بھی مصابرہ کے مفہوم میں داخل ہوسکتا ہے۔

تیاری جہاد:

مسلمان خالقِ کائنات کی طرف سے وہ انقلابی جماعت ہے جو ہر دم خدمتِ انسانیت کے لئے کمر بستہ رہتی ہے۔ جہاں بھی اور جس وقت بھی کوئی ابلیسی اور سرکش قوّت ''فساد'' کے لئے اپنا دامِ ہمرنگِ زمین بچھاتی ہے، ان کی خدائی صفوں میں حرکت آ جاتی ہے۔ ایک ایک مسلمان لذّتِ حیات سے بے آشنا ہوکر موت سے پیار کرنے لگ جاتا ہے۔

ظاہر ہے باطل اور طاغوت کو درسِ عبرت دینے کے لئے طاقت اور قوت کی ضرورت پڑتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن حکیم جہاں مسلمانوں کو فلاحِ انسانیت کے لئے دیگر صلاحیتیں بروئے کار لانے کا پابند کرتا ہے۔ وہاں ''اعدولھم ما استطعتم۔'' کے تحت دشمن کے مقابلہ میں ہر طرح کی مادی تیاری کا بھی حکم دیتا ہے۔

'' تقویٰ'' جو کردارِ مومن کا دوسرا نام ہے۔ اپنے حامل میں یہ فکر اور سوچ بھی اُجاگر کرتا ہے کہ غلبۂ اسلام کے لئے مسلمانوں کو ہر دم دشمن کے مقابلہ میں تیار اور کمر بستہ رہنا چاہیئے''۔

ارشادِ ربّ ذوالجلال ہے۔

وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آلِ عمران: ۲۰۰)

''حفاظت دین کے لیے مستعد رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیاب ہو''۔

ربط اور رباط کا لغوی معنیٰ تو گھوڑے کو حفاظت کے لئے کسی جگہ مضبوطی سے باندھ دینا ہوتا

ہے اور اس سے " رباط الجیش " کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ اصلاحی طور پر اپنے آپ کو غلبۂ دین کے لئے آمادہ، عبادت کا پابند اور دشمن کے مقابلے میں کمر بستہ رہنے کو رباط کہتے ہیں۔

صاحبِ مفردات نے " رباط " کے مفہوم کے سلسلے میں رسول اللہ ﷺ کا ایک قول نقل کرتے ہوئے یہ بھی لکھ ہے کہ ایک نماز کے بعد دوسری نماز کے لئے تیار رہنا بھی " رباط " ہے۔

" رباط " کا اعلیٰ مقام اور مرتبہ یہی ہے کہ انسان " جہاد فی سبیل اللہ " کے لئے ہر وقت تیار رہے۔

حرمتِ سُود:

معاشی بدحالی معاشرتی بیماریاں پیدا کرتی ہے۔ غربت اور افلاس، صبر اور استقامت کی دولت کے بغیر اخلاقی بیماریوں کی بنیاد بن جاتے ہیں۔ اخلاقی اقدار کے مٹ جانے کی وجہ سے تعمیر و ترقی کے میدان میں جمود طاری ہو جاتا ہے۔ اسلام ایک مکمل معاشی نظام کی حیثیت سے ایسی تمام بنیادی کمزوریوں کا خاتمہ کرنا چاہتا ہے۔ جن سے جسد ملت کی صحت بگڑ جانے کا اندیشہ ہو۔

سود جس کے لئے عربی زبان میں لفظ " ربٰــو " استعمال ہوتا ہے۔ اسلام کی نظر میں ایسی مذموم حرکت اور قبیح بیماری ہے جس کا ارتکاب کرنے والوں کے حق میں قرآنِ حکیم کی یہ وعید ہے۔

وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيٓ أُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (آلِ عمران: ۱۳۱)

" اور ڈرو اس آگ سے جو کفر کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے "۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس آیت کے بارے میں فرمایا کرتے تھے کہ قرآن مجید کی سب سے زیادہ ڈرانے والی آیت یہی ہے۔ اس لئے کہ اس آیت میں آگ کی وعید ان لوگوں کے لئے جو کافر تو نہیں لیکن اللہ کی حرام ٹھہرائی ہوئی چیزیں حلال جانتے ہیں۔ (تفسیر مدارک)

احکامِ الٰہی سے بے رغبتی اور بے اعتنائی برتنا چونکہ " تقویٰ " کے منافی ہے۔ اس لئے اللہ

www.daleelerah.info www.shahjee.net

تبارک وتعالیٰ شیدائیانِ اسلام کے لئے یہ ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ سود جیسی قبیح حرکت سے بچیں۔

فرمانِ خداوندی ہے:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (آلِ عمران: ۱۳۰)

''اے ایمان والو! سود دُونا دُون نہ کھاؤ اور ڈرو اللہ سے تاکہ تمہاری کامیابی ہو''۔

نوٹ:

علمائے کرام نے آیت کا ترجمہ مختلف طریقوں سے کیا ہے۔ ترجمہ دوگنا سے کیا جائے یا ''خوف بڑھانے'' سے کیا جائے بہرصورت ہر قسم کے سُود کی حرمت ثابت ہوجاتی ہے۔

☆☆☆☆☆

دعاء

اے پروردگار! میں دل کی گرائیوں سے تیرا شکر ادا کرتا ہوں کہ تُو نے مجھے توفیق بخشی کہ ''تقویٰ'' کے موضوع پر کچھ لکھنے کے قابل ہوا۔ میں اس امید کے ساتھ دامنِ قرطاس کو سمیٹتا ہوں کہ تُو پھر اسے بھی چمنستانِ دین سے گل چینی کی توفیق عطا فرماتا رہے گا۔

الٰہ العالمین! تو چاہے تو ریت سے ستون کا کام لے لے اور چاہے تو جاہل کو فیض علم کا سرچشمہ بنادے۔ دنیا کا نظام تیری نگاہِ عنایت ہی سے چل رہا ہے۔

اے میرے اللہ! زمین پر بسنے والی انسانیت تیرے مقصودی نظام سے دُور ہو رہی ہے۔ اسے قرآن کے قریب کردے۔

آمین یا ربنا الکریم

☆☆☆☆☆